پچیسواں پارہ

مولانا محمد اسلم شیخوپوری

چوبیسویں پارہ کے آخر میں اللہ تعالیٰ کے عدل کامل کا بیان تھا جس کی وجہ سے قیامت کے دن کسی پر بھی ظلم نہیں ہوگا، اب پچیسویں پارہ کے شروع میں ہے کہ قیامت کے وقوع کی متعین تاریخ کا علم صرف اللہ ہی کو ہے، لوگ خرید وفروخت اور ذاتی دلچسپیوں میں منہمک ہوں گے کہ اچانک قیامت قائم ہوجائے گی، اس دن اللہ مشرکوں سے سوال کرے گا کہ کہاں گئے میرے وہ شریک جن کی تم عبادت کیا کرتے تھے؟ وہ انتہائی ندامت کے ساتھ جواب دیں گے کہ آج ہمارے درمیان کوئی بھی ایسا فرد نہیں جو تیرے لئے کسی شریک کا اقرار کرتا ہو۔ (۴۷)

سورۂ حم کے اختتام پر اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کے ساتھ وعدہ فرمایا ہے کہ وہ اس کائنات اور خود انسان کی ذات کے اندر جو راز ہیں ان کے بارے میں انہیں مطلع فرمائے گا اور یہ راز جب کھلیں گے تو ہر کوئی جان لے گا کہ یہ کتاب برحق ہے، (۵۳) اللہ کا یہ وعدہ سچا تھا اور گزشتہ چودہ سو سال سے اس وعدہ کا ایفاء ہورہا ہے، کائنات اور انسان کے بارے میں ایسے ایسے انکشافات ہورہے ہیں جن کا قدیم زمانے کے انسان نے کبھی تصور بھی نہیں کیا تھا، بالخصوص ہمارا زمانہ انکشافات، ایجادات اور تحقیقات کا زمانہ ہے، کوئی دن نہیں جاتا جب انسان اور کائنات کے بارے میں کوئی نئی تحقیق اور کوئی نیا انکشاف سامنے نہ آتا ہو۔ بتایئے کس نے سوچا تھا کہ انسان چاند تک پہنچ جائے گا؟ اور پورے کرۂ ارض کے ارد گرد گھوم جائے گا؟ کسی کے حاشیۂ خیال میں بھی یہ بات نہ آئی ہوگی کہ مشرق میں رہنے والوں کی آوازیں اہلِ مغرب اور اہلِ مغرب کی آوازیں اہلِ مشرق سن سکیں گے بلکہ آج تو آوازیں ہی نہیں ان کی صورتیں اور حرکات وسکنات بھی دکھائی دے رہی ہیں۔ ایک وقت تھا کہ انسان سورج کو کائنات کی عظیم

ترین چیز سمجھ کر اس کے سامنے جھکتا تھا، آج اس نے معلوم کرلیا کہ نظر آنے والا سورج تو کائنات کا ایک چھوٹا سا کرّہ ہے اور اس جیسے کئی سو ملین سورج پسِ پردہ موجود ہیں، انسان سمندروں اور دریاؤں کے پیٹ میں گھس گیا اور ان کے پیٹ میں جو کچھ چھپا تھا اس نے اسے دیکھ لیا، انسان نے اپنے جسم، اس کی بناوٹ، اس کی خصوصیات اور اس کے اسرار رموز کے بارے میں بہت کچھ معلوم کرلیا، انسانی نفسیات کے بارے میں بھی اس پر کئی راز منکشف ہوئے ہیں، لیکن اس کے باوجود کس کے اندر جرأت ہے کہ وہ دعویٰ کر سکے کہ وہ کائنات اور انسان کے سارے رازوں سے واقف ہوگیا ہے اور علمی تحقیق اور سائنسی ترقی، کمال کی آخری حد کو پہنچ گئی ہے، علم و تحقیق کی اس تیز رفتاری کا کوئی بھی مذہبی کتاب، قرآن کے سوا ساتھ نہیں دے سکتی، یہی بات قرآن کو دائمی معجزہ ثابت کرتی ہے، یہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی لاٹھی اور حضرت سلیمان علیہ السلام کے ہوائی تخت کی طرح مادی معجزہ نہیں ہے، یہ ایک علمی معجزہ ہے اور علمی دور کے لئے نازل ہوا ہے، انسان کا علم جتنی ترقی کرتا جائے گا، اس پر قرآن کی صداقت اتنی ہی کھلتی جائے گی، وہ وقت آ کر رہے گا جب ہر غیر متعصب صاحب علم کی گردن قرآن کے سامنے جھک جائے گی۔ (ان شاءاللہ)

سورۃ الشوریٰ

سورۂ شوریٰ مکی سورتوں میں سے ہے، اس میں ۵۳ آیات اور ۵ رکوع ہیں۔ دوسری مکی سورتوں کی طرح یہ بھی نظریاتی مسئلہ پر بحث کرتی ہے لیکن وحی اور رسالت کے مضمون کو اس میں زیادہ اہمیت دی گئی ہے، قرآن کے اعجاز کو بتلانے اور اس کی مثل لانے سے مخالفین کا عجز ظاہر کرنے کے لئے اس کی ابتدا حروف مقطّعات سے ہوئی ہے کہ یہی وہ حروف ہیں جنہیں جوڑ کر قرآن بنایا گیا ہے، اگر قرآن واقعی انسانی کاوش ہے تو تم بھی ان حروف کی ترکیب سے قرآن جیسا کلام بناڈالو، پورا قرآن نہیں، قرآن جیسی کوئی چھوٹی سے چھوٹی سورت ہی سہی، تمہارے اس کارنامے

کا سب سے بڑا فائدہ یہ ہے ہوگا کہ (معاذ اللہ) محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو جھوٹا ثابت کرنے کے لئے نہ پروپیگنڈا کرنا پڑے گا، نہ مالی وسائل استعمال کرنے پڑیں گے، نہ جنگ کی آگ میں اپنے بیٹوں اور بھائیوں کو جھونکنا پڑے گا، لیکن اس چیلنج کو نہ کل کے منکرین نے قبول کیا، نہ آج کے منکرین قبول کرنے کے لئے تیار ہیں۔

حروفِ مقطعات سے سورت کا آغاز کرنے کے متصل بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو خطاب کرتے ہوئے فرمایا گیا ہے: ''اسی طرح تمہاری طرف اور تم سے پہلے لوگوں کی طرف وحی کرتا ہے وہ اللہ جو کہ غالب اور حکیم ہے'' گویا وحی کا سرچشمہ، اولین اور آخرین کے لئے ایک ہی رہا ہے۔ درمیان میں اللہ کی عظمت وجلال بیان کرنے کے بعد پھر وحی اور قرآن ہی کا ذکر ہے اور ارشاد ہوتا ہے: ''اور اسی طرح تمہارے پاس قرآن عربی بھیجا تاکہ تم بڑے گاؤں (یعنی مکہ) کے رہنے والوں کو اور جو لوگ اس کے اردگرد رہتے ہیں ان کو رستہ دکھاؤ۔'' (۷) وحی اور رسالت کے مضمون ہی کو مؤکّد کرنے کے لئے یہ بتایا گیا ہے کہ اللہ کے نزدیک دین ایک ہی ہے، تمام انبیاء ایک ہی دین کی دعوت کے لئے دنیا میں تشریف لائے، ان کی شریعتیں اگرچہ مختلف تھیں لیکن ان سب کا دین ایک ہی تھا یعنی دینِ اسلام۔ حضرت نوح، حضرت ابراہیم، حضرت موسیٰ اور حضرت عیسیٰ علیہم السلام کو اسی دین کی دعوت کے لیے دنیا میں بھیجا گیا تھا اور ان کے متبعین کو تفرقہ سے سختی کے ساتھ منع کیا گیا تھا لیکن اہلِ کتاب محض حسد اور عناد کی بناء پر تفرقہ میں مبتلا ہوگئے، ان کے تفرقہ اور اختلاف ہی کو مٹانے اور قولِ فیصل سنانے کے لئے اللہ نے ہمارے آقا صلی اللہ علیہ وسلم کو مبعوث فرمایا اور آپ کو حکم دیا کہ ''آپ اسی دین کی طرف دعوت دو اور جس طرح تمہیں حکم دیا گیا ہے، اس پر مضبوطی کے ساتھ قائم ہو جاؤ اور ان لوگوں کی خواہشات کی اتباع نہ کرو اور ان سے کہو کہ اللہ نے جو کتاب نازل کی ہے میں اس پر ایمان لایا''۔ (۱۵)

جوں جوں یہ سورت آگے بڑھتی جاتی ہے، وحی اور رسالت کے ساتھ اس کا تعلق واضح

ہوتا جاتا ہے، وحی اور رسالت کے مضمون کے علاوہ اس مادی جہان میں ایمان کے جو دلائل اور تکوینی آیات ہیں، ان کی طرف بھی ذہنوں کو متوجہ کیا گیا ہے اور ایمان والوں کی درج ذیل نمایاں صفات بیان کی گئی ہیں:

❁ وہ اپنے رب پر بھروسہ رکھتے ہیں۔ ❁ بڑے بڑے گناہوں اور بے حیائی کے کاموں سے پرہیز کرتے ہیں۔ ❁ اگر غصہ آجائے تو معاف کردیتے ہیں۔ ❁ رب کی فرمانبرداری کرتے ہیں۔ ❁ نماز کی پابندی کرتے ہیں ❁ اپنے کام باہمی مشورے سے کرتے ہیں۔ ❁ اللہ کے دیئے ہوئے مال میں سے اللہ کی راہ میں خرچ کرتے ہیں۔ ❁ اگر ان پر کوئی ظلم اور زیادتی کرے تو مناسب طریقے سے بدلہ لیتے ہیں .... یہ صفات اگر آج کے مسلمان اپنے اندر پیدا کرلیں تو ان کی انفرادی اور معاشرتی زندگی میں ایسا انقلاب برپا ہوسکتا ہے جو انہیں علمی اور حقیقی مسلمان بنا کر پوری دنیا میں اسلامی انقلاب کی راہ ہموار کرسکتا ہے۔ سورۂ شوریٰ کی آخری دو آیتوں میں وحی اور رسالت کا ذکر ہے گویا جس مضمون سے سورت کا آغاز ہوا تھا اسی پر اختتام ہورہا ہے۔

﴿سورۃ الزخرف﴾

سورۂ زخرف مکی ہے، اس میں ۸۹ آیات اور ۷ رکوع ہیں چونکہ اس میں زخرف کا لفظ آیا ہے جو سونے اور زینت کے معنی میں آتا ہے اس لیے اس کا نام ''زخرف'' رکھا گیا۔ اس سورت کا موضوع اصول ایمان ہے، اس سورت کی ابتداء بھی دوسری ''حوامیم'' کی طرح آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے دائمی معجزہ، قرآن کریم کے ذکر سے ہوتی ہے، اللہ نے اس روشن اور واضح کتاب کی قسم کھا کر فرمایا ہے کہ ''ہم نے اسے عربی قرآن بنایا ہے تاکہ تم سمجھو اور یہ (قرآن) بڑی کتاب ہے (یعنی لوح محفوظ) میں ہمارے پاس لکھی ہوئی اور بڑی فضیلت اور حکمت والی ہے۔''

اس کے بعد سورۂ زخرف دلائلِ قدرت سے بحث کرتی ہے، یہ آسمان کی نیلی چھت، یہ زمین

کا فرش، یہ بلند و بالا پہاڑ، یہ بہتی ہوئی نہریں، یہ تاحدِ نظر پھیلے ہوئے سمندر، یہ آسمان سے قطرہ قطرہ برسنے والی بارش، یہ سطحِ آب پر رواں دواں کشتیاں اور جہاز، یہ ہر قسم کے چوپائے جو کھانے کے کام بھی آتے ہیں اور نقل وحمل کے بہترین ذرائع بھی ثابت ہوتے ہیں، یہ سب اپنے خالق اور صانع کی قدرت اور حکمت کے زندہ گواہ ہیں، ان کی گواہی شہری بھی سن سکتا ہے اور دیہاتی بھی، ان کی زبان عالم بھی سمجھ سکتا ہے اور جاہل بھی، یہ گواہ کل بھی موجود تھے اور آج بھی موجود ہیں۔ضرورت صرف ان کانوں کی ہے جو حق کی گواہی سن سکیں، ان آنکھوں کی ہے جو دیکھ سکیں، ان دلوں کی ہے جو حق کو قبول کر سکیں۔

یہ سورت زمانۂ جاہلیت کی ایک اور انتہائی قابلِ نفرت سوچ کا تذکرہ کرتی ہے، وہ یہ کہ ایک طرف ان کی نفسیات یہ تھی کہ وہ بیٹیوں سے سخت نفرت کرتے تھے، اگر ان کے ہاں بیٹی پیدا ہو جاتی تو وہ لوگوں سے منہ چھپاتے پھرتے تھے اور اسے زندہ درگور کرنے کی تدبیریں سوچنے لگتے تھے، دوسری طرف وہ اللہ کی طرف بیٹیوں کی نسبت کرتے تھے اور فرشتوں کو اللہ کی بیٹیاں قرار دیتے تھے۔(۱۵-۱۶)

سورۂ زخرف، ابوالانبیاء حضرت ابراہیم علیہ السلام کا بھی تذکرہ کرتی ہے جن کے بارے میں مشرکین کا دعویٰ تھا کہ ہم ان کی ملت اور شریعت پر ہیں، یہاں ان کے اس دعویٰ کی تردید کی جارہی ہے، یہ بتوں کے پجاری کس منہ سے اپنے آپ کو ان کی شریعت کا پیروکار قرار دیتے ہیں جبکہ آپ عقیدۂ توحید کے علمبردار تھے اور یہ سر سے پاؤں تک بُت پرستی کی نجاست میں ڈوبے ہوئے ہیں، حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنی اولاد میں یہی کلمہ توحید چھوڑا تھا۔(۲۶-۲۷)
اسی کلمہ کی جب حضرت خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم نے ان مشرکین کو دعوت دی وہ اس دعوت کو سحر اور آپ کو ساحر کہنے لگے، اللہ کے رسول کے بارے میں ان کا تصور اور ان کی سوچ انتہائی حماقت اور جہالت پر مبنی ہے" وہ کہتے ہیں کہ یہ قرآن دونوں بڑے شہروں کے کسی بڑے آدمی پر

کیوں نہ نازل کیا گیا؟'' (۳۱)۔ کیا اللہ کو، نبی بنانے کے لئے ایک یتیم فقیر اور غریب آدمی ہی ملا تھا، طائف اور مکہ کے سرداروں میں سے کسی سردار پر نظر انتخاب کیوں نہ پڑی؟ اس کا جو جواب دیا گیا اس کا حاصل یہ ہے کہ ان کے درمیان گزر بسر کے ذرائع تک پر تو انہیں کوئی اختیار نہیں، وہ خود اپنے رزق کے بھی مالک نہیں، جب رزق کی تقسیم میں ان کا کوئی اختیار نہیں تو نبوّت جیسے عظیم منصب کی تقسیم اور انتخاب میں انہیں کوئی اختیار کیسے دیا جا سکتا ہے۔ (۳۲)

اس کے بعد اس سورت میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کا قصہ بیان کیا گیا ہے جو کہ مشرکین کی حماقت اور جہالت کا ایک نمونہ اور جھلک ہے، فرعون کا اپنے اقتدار، سونے چاندی کے انبار اور وسیع اختیارات پر بڑا ناز تھا اور وہ اپنے آپ کو مصر کی سرزمین اور نہروں کا حقیقی مالک سمجھتا تھا اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کو بڑی حقارت کی نظر سے دیکھتا تھا پھر یوں ہوا کہ اسے انہی نہروں اور دریاؤں میں سے ایک میں غرق کر دیا گیا جو اس کے خیال میں اس کی اجازت کے بغیر اپنا بہاؤ بھی جاری نہیں رکھ سکتے تھے۔ (۴۶-۵۶) سورت کے اختتام پر اللہ اپنے پیغمبر کو جاہلوں سے اعراض کرنے اور صبر کرنے کا حکم دیتے ہوئے فرماتے ہیں: ''تم ان سے منہ پھیر لو اور سلام کہہ دو، انہیں عنقریب انجام معلوم ہو جائے گا۔'' (۸۹)

سورة الدخان

سورۂ دخان مکی ہے، اس میں ۵۹ آیات اور ۳ رکوع ہیں، دخان کا معنی ہے دھواں، چونکہ اس سورہ میں اس ''دخان'' کا ذکر ہے جو مشرکین کو قحط کے زمانے میں شدید بھوک کی وجہ سے دکھائی دیتا تھا، اس لیے اسے سورۂ دخان کہا جاتا ہے۔ اس سورت کی ابتداء میں بھی اللہ تعالیٰ نے ''کتاب مبین'' یعنی واضح کتاب کی قسم کھائی ہے، یہ کتاب اعجاز کے اعتبار سے بھی واضح ہے اور احکام و مضامین کے بیان کے اعتبار سے بھی واضح ہے، اللہ نے قسم اسی اعتبار سے کھائی ہے کہ ہم نے اس کتاب کو مبارک رات میں نازل کیا، اس سے مراد ''لیلۃ القدر'' ہے جو کہ ساری

راتوں سے افضل ہے، یہ کتاب اللہ نے بندوں پر رحمت کے طور پر نازل کی ہے ورنہ وہ بندوں کی عبادت کامحتاج نہیں ہے، اللہ کی ربوبیت کا تقاضا یہ ہے کہ وہ بندوں کو ہدایت سے محروم نہ رکھے۔(۱-۸) لیکن مشرکین اور کفار، قرآن اور بعث بعد الموت کے بارے میں شک کرتے ہیں۔(۹) حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے کے ان فرعونوں کو حضرت موسیٰ علیہ السلام کی مخالفت کرنے والے فرعون کے انجام سے ڈرایا گیا ہے،اس کی ملکیت میں سونے کے انبار تھے، باغات کی بہتات تھی، بیسیوں محلات تھے،سونا اگلتی زمینیں تھیں، ہزاروں خدام اورلونڈیاں تھیں، لاکھوں پر مشتمل فوج تھی۔ مختصر یہ کہ جو کچھ مصر میں تھا وہ سب اسی کا تھا وہ ہر جاندار اور بے جان چیز کا اپنے آپ کو مالک سمجھتا تھا،لیکن یہ سب کچھ اس کے کسی کام نہ آیا اور وہ اپنے ’’مظلوموں‘‘ اورمحکوموں کی نظروں کے سامنے دریا کی بے رحم موجوں میں غرق ہو گیا، وہ ’’آمنت آمنت‘‘ (میں ایمان لے آیا، میں ایمان لے آیا) کہتا ہی رہ گیا۔لیکن یہ چیخ و پکار اس کے کسی کام نہ آئی، اس نے جو کچھ اپنے پیچھے چھوڑا،اس سب کا وارث اور مالک بنی اسرائیل کو بنادیا گیا،کل کے محکوم آج کے حاکم اورکل کے مملوک آج کے مالک بن گئے۔(۱۷-۲۹) سورت کے اختتام پر ان ہولناک عذابوں کا ذکر ہے جن کا سامنا اللہ کے نافرمانوں کو کرنا پڑے گا اور چھوٹی سی عقل میں نہ سما سکنے والی ان نعمتوں کا ذکر ہے جن سے اللہ کے نیک بندوں کو نوازا جائے گا۔(۴۳-۵۷)

سورۃ الجاثیۃ

سورۂ جاثیہ مکی ہے اس میں ۳۷ آیات اور ۴ رکوع ہیں، یہ بات تو اب قارئین کرام جان ہی چکے ہیں کہ جن سورتوں کا آغاز حروف مقطعات سے ہوتا ہے ان میں سے اکثر سورتوں کی ابتداء ہمارے آقا صلی اللہ علیہ وسلم کے سب سے بڑا معجزہ قرآن عظیم کے ذکر سے ہوتی ہے، چونکہ قیامت کے دن لوگ خوف اور ہیبت کی وجہ سے دربارِ الٰہی میں گھٹنوں کے بل بیٹھے ہوں گے اوراس سورہ میں اس خوفناک منظر کا بیان ہے اس لئے اسے ’’سورہ جاثیہ‘‘ کہا جاتا ہے۔قرآن

کریم کی عظمت کا تذکرہ کرنے کے بعد یہ سورت ان تکوینی نشانیوں کو بیان کرتی ہے جن میں سے ہر ایک اللہ کی عظمت وجلال اورقدرت ووحدانیت کی زندہ گواہ ہے ۔ (۳-۶) پھر ان مجرموں کے مکروہ چہرے سامنے لاتی ہے جو آیاتِ الٰہیہ سننے کے باوجود انکار واستکبار کی راہ نہیں چھوڑتے اور یوں بن جاتے ہیں گویا انہوں نے کچھ سنا ہی نہیں ۔(۷-۹) علاوہ ازیں یہ سورت ان نعمتوں کا بھی تذکرہ کرتی ہے جو اللہ نے بنی اسرائیل کو کتاب، حکمت، نبوت، پاکیزہ روزی اوراہلِ جہاں پر فضیلت اور عزت کی صورت میں عطا کی تھیں، چاہیے تو یہ تھا کہ ان نعمتوں سے سرفراز ہونے کے بعد وہ عجز واطاعت کا راستہ اختیار کرتے لیکن ہوا یہ کہ وہ بتدریج سرکشی اور معصیت کی راہ پر چل نکلے۔(۱۶-۱۷)

ماضی کے یہ واقعات کفارِ مکہ بلکہ ہر زمانے کے کفار کو سمجھانے کے لئے بیان کئے جاتے ہیں، کفار، حضور اکرم صلی اللہ علیہ سلم کے زمانے کے ہوں یا موجودہ زمانے کے، انکے کفر وانکار کی سب سے بڑی وجہ یہ ہے کہ وہ دنیا ہی کی زندگی کو سب کچھ سمجھتے ہیں۔(۲۴-۲۵) جب کہ قرآن اس دن پر ایمان لانے کی تاکید کرتا ہے جس دن نیک اور بد ہر کسی کو اس کے اعمال کا بدلہ مل کر رہے گا، قرآن کا انداز کہیں حاکمانہ اور کہیں ناصحانہ ہوتا ہے، کہیں خبر کا اسلوب ہوتا ہے اور کہیں انشاء کا، کہیں سوال وجواب ہوتا ہے اور کہیں یوں منظر کشی کی جاتی ہے گویا قرآن پڑھنے والا اس دنیا میں قیامت کے واقعات کو اپنی آنکھوں سے دیکھ رہا ہے۔اس سورت کے آخر میں بھی منظر کشی والا انداز اختیار کیا گیا ہے، یوں محسوس ہوتا ہے کہ قیامت قائم ہو چکی ہے، حشر کا میدان ہے، لوگ خوف کے مارے گھٹنوں کے بل گرے ہوئے ہیں، اللہ بندوں سے مخاطب ہے، کہا جا رہا ہے کہ تم نے قیامت کو بھلا دیا تھا آج تمہیں بھلا دیا گیا ہے، تم آیاتِ الٰہیہ کا مذاق کرتے تھے آج تم خود مذاق بن کر رہ گئے ہو۔(۲۸-۳۵)

پیشکش: ابوزبیر [www_alkalam_pk@yahoo.com]